یاد رفتگان

سعدالدینؒ ..... ایک انقلابی شخصیت

سید علی گیلانی ○

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

نقطۂ پرکار حق، مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز!

(بال جبریل، ص ۹۷-۹۸)

علامہ اقبالؒ نے مومن بندوں کی جو صفات گنائی ہیں، بغیر کسی مبالغہ اور غلو کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم سعدالدینؒ ان جملہ صفات کے حامل تھے۔ ہم نے ان کے ساتھ زندگی کے ۴۰ سال گزارے ہیں۔ اس طویل عرصے میں ہم نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، سنا ہے، پڑھا ہے، ان کی زندگی جتنی صاف و شفاف تھی، شاید ہی ہم میں سے کوئی اس معیار پر پورا اترتا ہو۔ انھوں نے ایسے خاندان میں جنم لیا، پرورش پائی، بچپن اور لڑکپن گزارا، ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کیے، جو خاندان نہ صرف جموں و کشمیر کی حدود میں بلکہ پاک و ہند کے شہروں اور قریوں میں، بزرگی، خدا رسیدگی، روحانیت اور طریقت میں مرجع و عام تھا۔ انھوں نے قرآن پاک کی تعلیم سے تعلیمی زندگی کی ابتدا کی اور اللہ بزرگ و برتر نے ان کو یہ سعادت عظمیٰ عطا کی کہ وہ قرآن کے حافظ ہوئے۔ حفظ قرآن کے بعد انھوں نے مروجہ تعلیم کی طرف توجہ دی۔ وہ ایف ایس سی تک سائنس اسٹوڈنٹ رہے اور پھر بی اے کیا۔

اس زمانے میں مسلمان تعلیم کے لحاظ سے بہت پسماندہ تھے۔ جب کوئی نوجوان کوئی ڈگری حاصل کر لیتا

○ چیئرمین، آل پارٹیز حریت کانفرنس، جموں و کشمیر

تھا، تو امیدواروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہونے کی وجہ سے سرکاری ملازمت مل جانا کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا۔ چنانچہ ان کو سب سے پہلے محکمہ سیروسیاحت میں اچھی ملازمت کی پیش کش ہوئی۔ مگر شرط یہ تھی کہ وہ ہیٹ اور نیکر پہنا جائے جو انگریزوں کا خاص اور پسندیدہ لباس تھا۔ محکمہ سیروسیاحت کے ملازمین کے لیے اس کی پابندی ضروری تھی۔ مرحوم نے مجھ سے خود ایک بار اس کا تذکرہ کیا کہ انھوں نے اس شرط کو قبول نہیں کیا اور اس طرح وہ اس محکمے میں ملازم نہ ہو سکے۔ بعد میں ان کو محکمہ تعلیم میں بحیثیت استاد ملازمت مل گئی۔

سری نگر میں تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ مطالعے کے ساتھ بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ سری نگر کے مہاراج گنج بازار میں غلام محمد نور محمد تاجران کتب کی ایک مشہور و معروف دکان تھی۔ مرحوم اس دکان پر کتابوں کے مطالعے کی غرض سے آتے رہتے تھے۔ ان کتب فروش برادران کے ہاتھوں رسالہ ترجمان القرآن کی ایک کاپی انھیں میسر آگئی جو لاہور سے مرحوم مولانا مودودیؒ کی ادارت میں نکلا کرتا تھا۔ ترجمان القرآن کے مضامین پڑھ کر مرحوم کو ایسا لگا کہ جیسے ان کے دل کی بات کہی جا رہی ہو، ان کی سوچ اور فکر کو کسی نے زبان اور گویائی بخش دی ہو اور کسی نے ان کے دل اور ذہن میں دبے جذبات اور احساسات کو مرئی روپ دے دیا ہو۔ وہ ترجمان القرآن کے مستقل خریدار بن گئے اور مفکر اسلام علامہ مودودیؒ کے ساتھ انھوں نے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

استاد کی حیثیت سے ان کا تبادلہ وادی کے ایک دور افتادہ اور ٹھنڈی فضاؤں کے قصبے شوپیاں میں ہو گیا۔ یہاں ان کی ملاقات ترجمان القرآن کے ایک قاری مولانا غلام احمد احرار صاحب کے ساتھ ہوئی۔ مولانا احرار ابھی بقید حیات ہیں۔ انھوں نے اس ملاقات کا تذکرہ کئی بار کیا ہے۔ شوپیاں کے نیشنل ہائی اسکول میں یہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ مرحوم سعد الدینؒ نے شوپیاں میں دوست احباب کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اپنے ایک ساتھی عبدالحق برق کی معیت میں جو ڈرائنگ ماسٹر کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کر رہے تھے، انھوں نے مولانا احرار صاحب کے دولت کدہ پر جا کر ملاقات کی۔ ایک گھنٹے کی گفتگو اور بات چیت کے بعد جب ان کو معلوم ہو گیا کہ مولانا احرار صاحب بھی ترجمان القرآن پڑھتے ہیں تو وہ بے تاب اور مضطرب ہو کر کھڑے ہو گئے اور مولانا احرار صاحب سے گلے ملے۔ گویا ایک گھنٹے کی بالمشافہ ملاقات میں وہ ایک عام کشمیری سے بات کر رہے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ ترجمان القرآن کے واسطے سے وہ نظریاتی ہم آہنگی کے رشتے میں بھی پیوست ہیں تو انھوں نے گلے مل کر اس کا اظہار کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کے ساتھی عبدالحق برق کو تعجب ہوا ہو گا اور بقول مولانا احرار صاحب انھوں نے مجلس میں اس کا اظہار بھی کر دیا۔ ترجمان القرآن کے واسطے سے مرحوم سعد الدینؒ جماعت اسلامی کی فکر اور انقلابی سوچ کے قریب

تر ہوتے گئے۔

ان دنوں ترجمان القرآن میں اشارات کے علاوہ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ اس وقت متحدہ ہندستان میں انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک طرف انڈین نیشنل کانگریس اور دوسری طرف مسلم لیگ جدوجہد کر رہی تھی۔ ہندستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمان شش و پنج اور حیص بیص میں تھے کہ جدوجہد آزادی میں کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہوں یا مسلم لیگ کے؟ کیونکہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنا تو مشترکہ مقصد تھا مگر انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان کس قسم کی آزادی سے ہم کنار ہوں گے، یہ بات کھل کر سامنے نہیں آ رہی تھی۔ ہندستان میں مسلمان تقسیم ہو رہے تھے۔ کانگریس کے کیمپ میں عام مسلمانوں کے علاوہ جید علماے دین اور مقتدر شخصیتیں بھی شامل تھیں اور ان کی شرکت کی وجہ سے کم پڑھے لکھے اور سیاسی سدھ بدھ سے عاری مسلمان فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کدھر جائیں؟ کانگریس نے وطنیت کی بنیاد پر متحدہ قومیت کا نعرہ دیا تھا اور مسلمان علما کانگریس کے اس نظریے کی حمایت میں دلائل فراہم کر رہے تھے۔ چنانچہ اسی دور میں علامہ اقبالؒ کو کہنا پڑا:-

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بو العجبی است

دوسری طرف مسلم لیگ متحدہ قومیت کے مقابلے میں دو "قومی نظریہ" کا اصول پیش کر رہی تھی مگر اس کے پاس اس نظریے کی تشریح، توضیح اور علمی دلائل کا مواد نہیں تھا۔ ان حالات میں مولانا مودودیؒ نے تحریک آزادی ہند اور مسلمانوں کی سیاسی کش مکش اور مسلم قومیت لکھ کر متحدہ ہندستان کے مسلمانوں کے لیے گویا ایک گہری دھند سے ایک روشن اور کھلی فضا میں سفر کرنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ سعدالدینؒ اسی فکر سے روز بروز قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ انھوں نے مولانا احرار صاحب کے ساتھ قریبی رابطہ رکھا اور جموں و کشمیر میں جماعت اسلامی کا نظم قائم کرنے کے بارے میں بھی مشورے ہوتے رہے۔

اس دوران میں سعدالدینؒ بارہ مولا تبدیل کر دیے گئے۔ جہاں ان ایام میں اسکول کے بچوں کو ڈوگرہ شاہی خاندان کے تئیں وفاداریوں کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔ جھنڈے کو سلامی دینا پڑتی تھی اور جھکنا پڑتا تھا۔ سعدالدینؒ کو یہ حرکتیں اسلام کے مزاج اور روح کے خلاف نظر آئیں۔ انھوں نے مولانا مودودیؒ سے اس بارے میں استفسار کیا۔ مولانا مرحوم نے ان کو لکھا کہ سلامی دینا اور جھک کر غیر اسلامی نظریے اور نظام کے سامنے سر اطاعت خم کرنا، اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ آپ ایسا نہ کریں اور معاملے کو حکمت سے ٹالنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد جو بھی نتائج سامنے آجائیں، آپ برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ ان کی انقلابی شخصیت نے اپنے لیے یہی انقلابی راستہ اختیار کر لیا اور سلامی دینے سے کھل کر انکار کر دیا۔ غیر اسلامی قوتوں اور طاقتوں نے ہمیشہ اور ہر دور میں انقلابی سوچ کو دبانے اور زیر کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں اور اپنی طاقت اور اختیارات کا بے جا استعمال کر کے ایسے افراد اور گروہوں کو ظلم و استبداد اور بربریت کا نشانہ بنایا ہے۔ حق و باطل کی یہ ستیزہ کاری ازل تا ابد جاری رہے گی ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی!

اس جرات رندانہ کے مظاہرے کو ڈوگرہ شاہی خاندان کے حکمران اور افسران کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ محکمہ تعلیم کے کارپردازوں نے سعدالدین" کو اوڑی کے دور افتادہ مقام چکاری تبدیل کر دیا۔ یہاں بھی آپ ترجمان القرآن کے ساتھ ذہنی طور پر وابستہ اور جڑے رہے اور مولانا مودودی" کے ساتھ سلسلۂ مراسلت بھی جاری رہا۔ اس دوران میں جماعت اسلامی کا کل ہند اجتماع پٹھانکوٹ پنجاب میں منعقد کیے جانے کا اعلان شائع ہوا اور سعدالدین" اجتماع میں شرکت کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں۔ براستہ راولپنڈی آپ پٹھانکوٹ پہنچتے ہیں۔ کشمیر سے اس اجتماع میں مولانا غلام احمد احرار، قاری سیف الدین اور سید محمد شفیع کا کہنا ہے کہ وہ بھی اس اولین اجتماع میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ کل ملا کر چار افراد شریک ہوتے ہیں۔ اولین اجتماع، جس ذوق و شوق، دینی اور روحانی جذبات کے تموج کے ساتھ ان حضرات نے دیکھا، سنا اور برتا ہو گا، حیطہ تحریر میں آنے والی باتیں نہیں ہیں۔ اس اجتماع میں شرکت کی لذت اور چاشنی، طمانیت قلب و ذہن کی فراوانی، دم واپسیں تک ان پر چھائی رہی۔ مرحوم اکثر اس کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے۔

پٹھان کوٹ کے اجتماع میں شرکت کے بعد جب یہ قافلہ سخت جاں واپس لوٹا تو انھوں نے اپنے یہاں بھی جماعت کا نظم قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ تحریک کے بانی مولانا مودودی" کے ساتھ بھی ان کی ملاقات ہوتی ہے اور وہاں بھی ان کو اس امر کی تلقین کی گئی کہ کشمیر میں جماعت اسلامی کی شاخ قائم کی جائے۔ چنانچہ اولیں اجتماع میں اتفاق رائے کے ساتھ سعدالدین" کو امیر منتخب کر لیا گیا۔ یہ ۱۹۴۶ کا زمانہ تھا جب کہ نصف درجن سے کم افراد نے ان کو اس منصب پر فائز کر دیا لیکن ان کی خداداد صلاحیتیں، انقلابی سوچ، دینی مزاج، تحریک شناسی اور اقامت دین کی راہ میں ان کی سخت کوشی اور سرفروشی نے اس سلسلۃ الذہب کو ۱۹۸۵ تک ایک قلیل وقفے کے استثنی کے ساتھ جاری و ساری رکھا۔ اس طرح لگ بھگ ۴۰ سال کے طویل عرصے تک اس مرد حق آگاہ نے جموں و کشمیر کی حدود میں اقامت دین کی جدوجہد میں ایسا نکھار اور ابھار پیدا کیا کہ چار افراد کے مختصر قافلے کا نصب کردہ شجر طیبہ، اللہ غالب و قاہر کے فضل و احسان سے آج ایسا تناور درخت بن چکا ہے جس کے سائے تلے لاکھوں افراد اپنے دین و ایمان کی اقدار کی

پرورش اور نشوونما کا سماں پا رہے ہیں۔ افراد کی کمیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور خامیوں سے انکار کی جرات نہیں اور نہ کسی انسانی کام کے بارے میں ایسا سوچنا ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن سعدالدینؒ کے مقدس ہاتھوں سے اقامت دین کا نصب کردہ پودا آج سرزمین کشمیر میں چنار کا درخت بن چکا ہے۔ اس کا اقرار جماعت سے وابستہ افراد کے علاوہ یہاں کا عام مسلمان بھی کر رہا ہے۔

سعدالدینؒ کی انقلابی سوچ اور کردار کے مظاہر ان کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ اقامت دین کا نصب العین اپنی زندگی کا مقصد اور منشا بنانے کے بعد انھوں نے سب سے پہلے اپنے خاندان کی مروجہ روش سے ہٹ کر خالص دینی اور انقلابی طرز کی زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ اس کی پاداش میں ان کو گھر سے ہجرت کرنا پڑی۔ مجھے ذاتی طور پر ان کی اس مہاجرت کی زندگی کے بہت سے شب و روز اور لیل و نہار دیکھنا پڑے ہیں۔ چونکہ مجھے ۴۹ کے اواخر یا ۵۰ کے اوائل میں ان کے ساتھ تعارف ہوا اور سری نگر میں قیام پذیر ہونے کی نسبت سے میں جماعت اسلامی کے اولیں مرکز شاہ محلہ، نواب بازار کے اجتماعات میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا کرتا تھا۔ طوالت کے خوف سے نہ تو یہاں اپنے تعارف کی تفصیل بتانے کی گنجایش ہے اور نہ ان واقعات کو دہرانے کی ضرورت۔

ان کی زندگی میں حکمران طبقے کے ساتھ معرکہ آرائی بھی ان کی انقلابی سوچ کی بھرپور نشان دہی کرتی ہے۔ ۱۹۴۷ سے ہی جموں و کشمیر کے متنازعہ خطے کے بدنصیب اور حرماں نصیب عوام کے مصائب و آلام کے دن شروع ہو گئے تھے۔ مرحوم شیخ محمد عبداللہ پہلے ناظم اعلیٰ اور پھر وزیراعظم کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کا دبدبہ اور سطوت شاہی، ڈوگرہ شاہی خاندان کے رعب و داب سے کچھ کم نہیں تھی بلکہ اگر حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو مرحوم شیخ عبداللہ کا دور اقتدار کئی لحاظ سے ڈوگرہ شاہی جبر و استبداد سے آگے تھا۔ محکمہ تعلیم میں ہیڈ ماسٹروں کا تقرر ہونا تھا۔ مرحوم شیخ محمد عبداللہ نے خود انٹرویو لینا اور انتخاب کرنا پسند کر لیا اور امیدواروں کو اپنے دفتر بلوا لیا۔ پہلے یہ بھاشن دیا کہ ہیڈ ماسٹر کے منصب پر فائز کرنے کے لیے سخت چھان پھٹک کرنا پڑے گی مگر جب انتخاب کا موقع آیا تو بغیر انٹرویو لیے امیدواروں کو قطار میں کھڑا کر دیا اور اپنے قد کی مناسبت سے طویل القامت اساتذہ کو منتخب ہو جانے کا مژدہ سنایا۔ سعدالدینؒ کی انقلابی اور دینی بے باکی بھڑک اٹھی۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کے رعب و دبدبے کو خاطر میں لائے بغیر انھیں ٹوکا اور کہا کہ آپ نے تو ابھی یہ بھاشن دیا تھا کہ سخت چھان پھٹک ہو گی۔ اس لیے آپ کو چھان پھٹک کرنا ہو گی۔ اس پر شیخ عبداللہ نے پوچھا کہ آپ کا نام؟ جب مرد قلندر نے بے باکی کے ساتھ اپنا نام بتایا تو مرحوم شیخ عبداللہ کو ان کے بارے میں سی آئی ڈی کی دی گئی رپورٹیں ذہن میں تازہ ہو گئیں اور سعدالدینؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اچھا! آپ ہی وہ ہیں جو اسلام پھیلاتے اور اسلام کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبداللہ

مرحوم نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے سعدالدینؒ کو سروس سے معطل کر دیا۔ ان کی معطلی کا یہ دور اس وقت تک جاری رہا جب تک شیخ محمد عبداللہ ۹/اگست ۱۹۵۳ میں خود معطل ہو گئے اور زینت زنداں بنا دیے گئے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار!**

سعدالدینؒ جب درس قرآن دیتے تھے تو سامعین میں کوئی فرد ایسا نہیں رہتا تھا جس کی آنکھ نم نہ ہو رہی ہو۔ ان کے درس قرآن کی امتیازی خصوصیت یہ ہوا کرتی تھی کہ گردوپیش کے حالات پر قرآنی آیات' احکامات اور ہدایات کا اتنا صحیح اور ٹھیک انطباق ہوتا کہ یوں لگتا تھا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہو رہی ہیں اور موجودہ حالات میں ہماری بھرپور اور بروقت رہنمائی ہو رہی ہو۔ قرآن پاک کے ساتھ ان کا شغف اور تعلق اتنا گہرا اور دائمی تھا کہ ان کو کبھی مترجم قرآن پاک کے نسخے سے مدد نہیں لینا پڑتی تھی۔ وہ ہمیشہ معریٰ قرآن پاک سامنے رکھ کر درس دیتے تھے۔ ۴۰ سال کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی موقع ایسا آیا ہو کہ وہ مجلس میں موجود ہوں اور کسی اور نے درس قرآن دیا ہو۔ حالانکہ فضلاے دیوبند اور علما بھی تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔

میں نے ذاتی طور ان کی زندگی اور سیرت کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر محسوس کی ہے کہ دور سے دیکھ کر ان کی وجاہت اور شخصیت کا رعب طاری ہو جاتا تھا لیکن جب ان کے قریب ہوا جاتا تھا تو وہ بہت ہی نرم' ہنس مکھ' لطیف مزاح اور گداز دل کے مالک معلوم ہوتے تھے۔ وہ نام و نمود اور شہرت سے دور بھاگتے تھے۔ نظریاتی طور پر جو لوگ اسلام کا جامع تصور نہیں رکھتے تھے اور تفریق دین و سیاست کے قائل اور علم بردار ہوا کرتے تھے' ان کے ساتھ وہ بہت ہی کم آمیز تھے۔ ۱۹۶۵ تا ۶۶ کے ایام اسیری میں' مجھے اکتوبر ۶۶ سے مارچ ۶۷ تک ان کے ساتھ بہت قربت رہی۔ جماعت اسلامی سے وابستہ جملہ افراد کو اکتوبر میں ہی رہا کر دیا گیا اور ہم دونوں کو جیل میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ اس عرصے میں مرحوم مولانا محمد سعید مسعودی اور ان کے ساتھی بھی جیل میں تھے۔ ہم لوگ ایک ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو مرحوم سعدالدینؒ سے نماز تراویح میں قرآن سنانے کی استدعا کی گئی۔ مرحوم سعدالدینؒ نے بڑی خندہ جبینی کے ساتھ درخواست قبول کی اور ہم لوگوں کو پورے رمضان المبارک میں قرآن پاک سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عیدالفطر پر مرحوم مولانا مسعودیؒ نے روایتی انداز میں ان کی دستار بندی کرنا چاہی مگر مرحوم سعدالدینؒ نے اتنی سختی سے اور درشتی کے ساتھ ان کی اس روایتی دستار بندی کو ٹھکرایا کہ مرحوم مسعودیؒ اور ان کے قریبی ساتھی مرحوم غلام محی الدینؒ بے بس ہو کر رہ گئے۔ میں نے اپنے کمرے میں آکر مرحوم سعدالدینؒ سے پوچھا کہ آپؒ نے تو بہت ضد کی۔ اس پر مرحوم نے شیریں مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ ان روایتوں کو تو ہم نے توڑنا ہے۔ اگر ہم لوگ ہی ان کی پزیرائی کریں تو اصلاح احوال کی کن

سے امیدیں رکھی جائیں گی؟

۱۹۷۵ میں آنجہانی اندرا گاندھی نے بھارت کی حدود میں ایمرجنسی نافذ کر دی۔ لیکن بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر میں اس کا نفاذ نہیں ہو سکتا تھا۔ جماعت اسلامی جموں و کشمیر نے مرحوم شیخ عبداللہ اور مرحوم مرزا محمد افضل بیگ کے خلاف الیکشن لڑا تھا تاکہ اندرا عبداللہ ایکارڈ [اتحاد] کو رد کیے جانے کا ریکارڈ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو جائے۔ مرحوم شیخ محمد عبداللہ اس مخالفت کا زخم لیے سہلا رہے تھے کہ ان کو ایمرجنسی کا ہتھیار ہاتھ لگا۔ انھوں نے خود دعوت دی کہ جموں و کشمیر میں بھی ایمرجنسی نافذ کی جائے۔ اس میں ان کے پیش نظر صرف اور صرف جماعت اسلامی پر پابندی عائد کرنا اور جماعت اسلامی کے زیر اہتمام چلنے والے ۲۰۰ سے زائد تعلیمی اداروں کو جن میں ۲۰ ہزار طلبہ و طالبات زیر تعلیم تھے اور ۶۰۰ اساتذہ اور استانیاں برسر روزگار تھیں، مقفل اور بند کروانا تھا۔ چنانچہ جماعت اسلامی پر پابندی لگا دی گئی اور تمام درس گاہیں بند کر دی گئیں۔ جماعت اسلامی کی قیادت کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس مرحلے پر مرحوم سعدالدین ؒ کی انقلابی سوچ نے انقلابی رخ اختیار کیا۔ وہ گرفتاری سے بچ کر روپوش ہو گئے۔ انھوں نے جماعت اسلامی کے تمام حلقوں کو زندہ اور متحرک رکھا۔ مرحوم اس عرصے میں وادی کے چپے چپے میں گھومے حتیٰ کہ پہاڑی علاقوں کا سفر کر کے بھی انھوں نے جماعت اسلامی کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ کارکنوں کو حوصلہ دیا، حکومت کی لگائی ہوئی پابندی کو روند ڈالا، اور اقامت دین کا نصب العین دار و گیر کے اس قسطائی دور میں بھی زندہ و تابندہ رکھا۔ جماعت اسلامی کے حلقوں میں چونکہ یہ ایک نئی طرح تھی اس لیے کہیں کہیں اس پر گفتگو بھی ہوئی۔ مگر اس کے اثرات اور نتائج کو جب دیکھا گیا تو سب نے محسوس کیا کہ اس مرحلے پر جماعت کے حلقہ اثر کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لیے ایسا کرنا ایک مدبرانہ اور انقلابی اقدام تھا جس کو سعدالدین ؒ جیسے انقلابی سوچ کے لیڈر اور رہنما ہی اختیار کر سکتے تھے۔

۱۹۸۵ میں جماعت اسلامی جموں و کشمیر کے دستور میں ترمیم کر کے عام ارکان سے امیر اور شوریٰ کے براہ راست انتخاب کا اختیار لے کر نمایندگان کے حوالے کر دیا گیا۔ مرحوم سعدالدین ؒ اس ترمیم کے زبردست مخالف تھے۔ ہم لوگ ان ایام میں سری نگر سنٹر جیل میں تھے۔ ہم سے بھی ترمیم کے علم برداروں نے پوچھا مگر اس مرحلے پر اس ترمیم کے نتائج اور عواقب کا ہم اندازہ نہ کر سکے اور ہم نے بھی سادگی کے ساتھ صاد کر دیا۔ مگر اس وقت سے آج تک جماعت اسلامی جموں و کشمیر کے انتخابات میں وہ روح برقرار نہ رہ سکی جو ۱۹۸۵ تک کے انتخابات میں غالب و کارفرما رہا کرتی تھی۔ ارکان نمایندگان کے انتخاب کے بعد لاتعلقی محسوس کر رہے ہیں۔ مرحوم سعدالدین ؒ کی نگاہ دور رس ان سارے نتائج و عواقب سے بروقت آگاہ تھی۔

۱۹۶۹ میں جماعت اسلامی نے پنچایتی انتخابات میں حصہ لیا۔ ۱۹۷۱ میں وسط مدتی پارلیمانی انتخابات میں شرکت کی، ۱۹۷۲ میں جموں و کشمیر کے اسمبلی انتخابات میں حصہ لیا۔ اجتماع ارکان نواب بازار، سری نگر کے مرکزی دفتر میں مرحوم سعدالدینؒ نے جس انداز سے انتخابات میں شرکت کی وکالت کی، اس نے بھاری اکثریت کو مطمئن کر دیا۔ چند ایک کے سوا سب نے شرکت کے حق میں ووٹ دیا۔ جماعت اسلامی پاکستان کے ماچھی گوٹھ اجتماع کے شرکا کو ہمارے یہاں کے مناظر کا ٹھیک ٹھیک احساس ہو گا۔ یہ بہت بڑا انقلابی قدم تھا اور میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہوں گا کہ یہ صرف اور صرف مرحوم سعدالدینؒ کی انقلابی سوچ کا نتیجہ تھا ورنہ ہم جیسے لوگ شاید ہی ایسا انقلابی قدم اٹھا سکتے تھے۔ انتخابات میں شرکت کو جموں و کشمیر کی حدود میں جماعت اسلامی کی ایک غلطی تصور کیا جا رہا ہے مگر میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اس انقلابی اقدام نے جماعت اسلامی کے نصب العین کو عام لوگوں تک پہنچانے میں جو مدد اور مواقع فراہم کیے وہ شاید صدیوں تک فراہم نہ ہو پاتے۔ میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ کمزوریاں انسانی کاموں کے ساتھ جسم اور روح کی طرح ساتھ ساتھ لگی رہتی ہیں مگر موازنہ کر کے جب دیکھا جائے تو اعتراف حقیقت کے اثبات کے لیے جس طرح دلائل کا سہارا لے کر ایوان اسمبلی اور انتخابی مہم کے دوران میں کام ہوا وہ بھی تاریخ کا ایک درخشندہ باب قرار دیا جا سکتا ہے۔

مرحوم سعدالدینؒ ہم سے رخصت ہو گئے۔ وہ اعلاے کلمتہ اللہ، اعمال صالحہ اور اعلان مسلم کے ساتھ اپنے مولاے حقیقی کے دربار میں پہنچ چکے ہیں۔ ۴۰ سال کے طویل عرصے میں ان کے قریب اور ساتھ رہ کر ان کی تربیت اور آغوش عاطفت میں شبُ و روز گزار کر چند صفحات میں واردات قلب کو حیطۂ تحریر میں لانا ازبس مشکل ہے۔ محض ان کی یاد تازہ کرنے کی خاطر گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہ صفحات ترجمان القرآن کے لیے لکھے دیے گئے ہیں۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو اور ان کی روشن کی ہوئی مشعل کو ہمیں تاباں اور درخشندہ رکھنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین یارب العالمین!